یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ آسانی سے ان کو اس سیاسی ارتداد پر مجبور کیا جا سکے گا۔ اور فی الواقع سیکولرزم کے مادی تصورات کو دلوں میں اتارا جا سکے گا۔ مندریس کی اس تقریر میں حقیقت اور نظریۃ میں جو بین تضاد رونما ہو گیا ہے۔ اس کا صاف صاف اعتراف موجود ہے۔ اب ان کی حکومت نے یہ تسلیم کر لیا ہے۔ کہ ترک سچے مسلمان ہیں۔ اور مسلمان رہنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ان کی حکومت کی سابقہ ملحدانہ تعلیمی پالیسی بدلنا چاہیئے۔ اور ترک بچوں کو اسلامی ماحول کی بہرہ مندیوں کے بہترین مواقع ملنا چاہئیں۔

ہماری یہ پختہ رائے ہے، کہ یہ انقلاب دراصل ایک بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ مذہب و ریاست میں حقیقتاً دوئی پائی نہیں جاتی۔ ان میں تفریق کی ضرورت دراصل اس وقت محسوس کی جاتی ہے۔ جب کہ مذہب جمود و رجعت پسندی کا مترادف ہو جاتا ہے۔ اور کسی بھی اصلاحی اقدام کو برداشت نہیں کرتا۔ جہاں یہ ثابت ہوا کہ یہ آگے بڑھنے والا ہے اور حالات و ظروف کا ساتھ دینے والا ہے۔ یا اس سے مقصود ایک برتر معاشرہ کی تخلیق ہے یا اخلاقی اقدار کی حفاظت و صیانت ہے۔ اور یہ نفسِ زندگی کی تہوں سے اُبھرنے والی ایک روشن حقیقت ہے۔ کوئی بیرونی اور خارجی اثر نہیں۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلیگا۔ کہ اس کے بارہ میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ چھٹ جائیں گی۔ اور انسان پھر دنیاوی ریاست کی مضرتوں سے دینی ریاست کی سعادتوں کی طرف پلٹ آئے گا۔

میرج کمیشن کی سفارشات اور علماء خوشی کی بات ہے کہ میرج کمیشن کی سفارشات چھپ کر منظرِ عام پر آ گئی ہیں۔ عورتوں کی مختلف تنظیموں نے بالاتفاق ان کا خیر مقدم کیا ہے۔ انگریزی اور اردو پریس نے بھی اسے وقت کی چیز قرار دیا ہے۔ اور پُرزور مطالبہ کیا ہے۔ کہ ان پر جلد از جلد عمل ہونا چاہیئے۔ لیکن جیسا کہ توقع تھی چند علماء اور پیشہ ور دینی جماعتوں نے اس کو اسلام کے خلاف قرار دیا ہے ——— ہمیں ان کی اس روایتی مخالفت سے ذرہ بھی تعجب نہیں ہوا۔ ان کی کوتاہ نظری، مقلدانہ ذہنیت، اور طبقہ اناث کے جذبات و عواطف سے مکمل بے خبری کا یہی تقاضا تھا۔ اس کے برعکس یہ لوگ اگر ان اصلاحات کی تائید کرتے، تو البتہ تعجب ہوتا۔ کہ اس گروہ میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جو معاشری مسائل کی اہمیتوں کو سمجھتے ہیں۔ اور ان سے نمٹنے کی مجتہدانہ صلاحیتیں رکھتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے۔ کہ جب بھی فکر و عمل میں تبدیلیوں کی ضرورت محسوس ہوئی ہے اور جب کبھی جمود و روشن ضمیری میں ٹھنی ہے۔ علماء کی بھیڑ نے ہمیشہ ایسے خیالات و رجحانات کی حمایت کی ہے۔ کہ جن سے تقدم و ارتقاء کے تقاضوں کو گزند پہنچتا ہو۔ اور اصلاح و اجتہاد کی تازہ کاریوں کے دروازے بند ہوتے ہوں۔ موجودہ دور کے کم نگاہ علماء کے بارہ میں ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ یہ نہ صرف فکر و اجتہاد کے تقاضوں سے محروم ہیں اور رفتارِ زمانہ سے پیچھے رہ گئے ہیں، بلکہ ان کی بدنصیبی یہ ہے کہ یہ جس مذہب کے حامل ہیں۔ خود اس کی تیز روی کا ساتھ نہیں دے سکے۔ ہمیں بتایا جائے کہ ان سفارشات میں کون حصے ایسے ہیں جو کتاب و سنت اور فقہ کی روح کے مطابق نہیں۔ کیا آج عورتیں مظلوم نہیں۔ اور ان حقوق سے قطعی محروم نہیں۔ جن کی وضاحت و تعیین کا مرحلہ آج سے چودہ سو برس پہلے طے ہو چکا ہے۔ مخالفت و فساد کی آگ بھڑکانے والوں کو یقین ہونا چاہیئے کہ ان سفارشات کا مقصد اس سے زیادہ ہرگز نہیں۔ کہ ان حقوق کو ایک آئین اور ضابطہ کے تحت لے آیا جائے۔ اور ایسا منصفانہ ماحول پیدا کیا

جائے، کہ اللہ کی یہ کمزور مخلوق ان سے فائدہ بھی اُٹھا سکے اور اپنی مشکلات و مصائب پر قابو بھی پا سکے۔

کیا ان حضرات کے فکر و علم کی سطح اتنی اونچی ہے کہ یہ فقہ و قانون کے باریک فرق کو سمجھ سکیں۔ کیا انہیں اس حقیقت کا احساس ہے کہ اگر فقہ کو قانون کے سانچوں میں ڈھالا جائے گا۔ اور حالات کے تغیرات کے ساتھ ساتھ قانونی و اصلاحی شکل بھی جائے گی۔ تو اس میں لامحالہ رد و بدل کرنا پڑیگا۔ اور کیا انہیں اس حقیقت کا بھی احساس ہے۔ کہ آج معاشرہ کی تشکیل نو اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ زندگی کی تمام فقہی و آئینی گتھیوں کو آج کی فقہ و آئین کی اصطلاح میں سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اور اگر یہ صحیح ہے۔ تو جبّہ و عمامہ کے یہ محافظ ہمیں سمجھائیں۔ کہ بغیر کسی تبدیلی اور تغیّر کے ایسا ہونا کیونکر ممکن ہے؟ کیا شادی یا طلاق و خلع کے مسائل کو قانون و آئین کی صورت اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ شادی کے لئے عمروں کی تعیین آخر کس نص کے خلاف ہے؟ قرآن و سنت کی تصریحات سے جب شادی بیاہ کے لئے بلوغ کو مناسب وقت سمجھا گیا ہے۔ تو کیا اس کی تعیین عمر کے پیمانے سے غلط ہو جائے گی۔ کیا یہ لوگ فقہ کے اس عامۃ الورود اصول سے بھی ناواقف ہیں۔ کہ جو بات فی نفسہ مندوب یا خیر ہے، اس کو بروئے کار لانے کے لئے جو بھی وسائل و ذرائع اختیار کئے جائیں گے وہ بھی مندوب یا خیر ہی متصوّر ہوں گے۔

اسی طرح اگر کمیشن یہ چاہتا ہے۔ کہ تطلیقات ثلٰثہ کی نوعیت کو ختم کیا جائے اور اسے ایک ہی رجعی طلاق مانا جائے تو کیا یہ وقت کی اہم اصلاح نہیں۔ اور کیا علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اس بیہودگی کے خلاف جہاد نہیں کیا اور دلائل و براہین سے اس کو ثابت نہیں کیا۔

اصلاحات کے خلاف یہ عامیانہ پروپاگنڈا کیا جا رہا ہے کہ اس میں عورت کو بھی مرد کی طرح طلاق کا حق بخشا گیا ہے حالانکہ اس میں صرف مسئلہ تفویض کی وضاحت ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر مرد از خود عورت کو اپنی طرف سے طلاق کا حق بخشتا ہے تو یہ اس سے بہرہ مند ہو سکتی ہے۔

یہ فقہ کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ مرد اپنے اس حق کو منتقل کر سکتا ہے، بشرطیکہ یہ طلاق مرد کی طرف سے ہو۔ اور آج عورت کی جو مظلومانہ حیثیت سوسائٹی میں ہے، اس کا یہ تقاضا ہے۔ کہ اس فقہی حق کی اشاعت عام کی جائے۔ اور عورتوں کو کھول کر بتایا جائے، کہ شریعت نے تمہیں یہ تحفظ عطا کر رکھا ہے، اگر تم چاہو تو اس سے استفادہ کر سکتی ہو —— اور ظالم مردوں کے چنگل سے خلاصی حاصل کر سکتی ہو۔

زیادہ ہنگامہ آرائی تعدّد ازدواج پر پابندیاں عائد کرنے کے مسئلہ پر ہو رہی ہے۔ ہمارے علماء یہ تسلیم کرینگے کہ عہد صحابہ میں بھی مباحات پر پابندیاں عاید کی گئی ہیں۔ اور فقہ کا یہ جانا پوجھا اصول ہے۔ کہ حالات کے تغیّر سے احکام میں بھی تغیر رونما ہوتا رہتا ہے۔

کمیشن کی سب سے قابلِ قدر سفارش یہ ہے، کہ عائلی مقدمات کو صلح و خیر سگالی کی فضا میں طے ہونا چاہئے۔ اور اس کے لئے ایسی عدالتیں قائم ہونی چاہئیں۔ کہ جن کا طریق عمل بدرجۂ غایت مختصر اور سہل ہو۔ یہ ہیں وہ موٹی موٹی باتیں جو سفارشات کی